تیسیہ پتر / آتما) پرمیشور کا ذرہ یا عکس ہے۔ اس لئے یہ لامتناہی ہے ۔ باشعور، منوّر اور امَر (لافانی) ہے ، اور پاک و مقدس ہے۔ اس نظریہ سے متأثر اقبال کہتے ہیں کہ انسان کا مقام آسمان سے بھی برتر ہے ۔ انسان کا احترام ہی اصل تہذیب ہے ؎

برتر از گردوں مقامِ آدم است
اصل تہذیب احترامِ آدم است

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ ہستی میں نوا کوئی

نظم گایتری کے یہ بند ویدانت کی تعلیم کی عکاسی کرتے ہیں ؎

تیرا کمال ہستیٔ ہر جاندار میں
تیری نمود سلسلۂ کوہسار میں
ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو
زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تو
نے ابتدا کوئی ، نہ کوئی انتہا تری
آزادِ قیدِ اوّل و آخر ضیا تری

قائم یہ عنصروں کا تماشا تجھی سے ہے
ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے
ہر شے کو تیری جلوہ گری سے ثبات ہے
تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے

[معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے اپنی اس تحریر کے موضوع پر علامہ اقبال مرحوم کے فرزند جسٹس (ریٹائرڈ) ڈاکٹر جاوید اقبال سے بھی رہنمائی چاہی تھی، اس کا جو جواب انہیں ملا انہوں

(باقی ۶ پر)

نقطۂ نظر

سید عبد الرؤف

(دوسری اور آخری قسط)

"صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ"

علماء اور قرّاء کے لیے لمحۂ فکریہ

آئیے اب ہم مسئلہ زیرِ غور یعنی تلاوتِ قرآن کے اختتام پر " صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ " کہنے کا جائزہ مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں لیں۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ تلاوتِ قرآن بالکل ایک دینی کام اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیا جن پر قرآن نازل ہوا تھا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ (الکہف: ۲۷) یعنی "آپ کے اوپر جو کتاب نازل کی گئی ہے اس کی تلاوت کیا کیجئے۔"

اسی طرح قرآن مجید میں مختلف پیرائے میں اُمتیوں کو نہ صرف تلاوتِ کتاب کا حکم دیا گیا ہے بلکہ اس میں حقِ تلاوت کی مزید تاکید کی گئی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ (البقرۃ: ۱۲۱) یعنی "جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی ہے وہ اس کی کما حقہٗ تلاوت کرتے ہیں۔"

ظاہر ہے اس حکم پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ مومن لوگ ہمیشہ پورے اہتمام اور احتیاط سے عمل کرتے رہے ہوں گے تاکہ حکمِ الٰہی کی بجاآوری پوری طرح ہو جائے اور یہ بالکل بدیہی اور لازمی امر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے اس حکم پر منشائے الٰہی کے مطابق من وعن عمل کیا ہوگا۔

تلاوتِ قرآن کے آداب کے سلسلے میں جو ہدایات ہمیں کتاب و سنّت کے مطالعہ سے ملتی ہیں ان میں سے قرآنی الفاظ میں ایک یہ ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ (النحل: ۹۸) یعنی جب قرآن مجید پڑھا کرو تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ ۔۔۔ الخ پڑھ کر شروع کیا کرو۔

چنانچہ احادیث میں وہ الفاظ بھی منقول ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف پڑھنے سے پہلے کہا کرتے تھے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ (ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اور نماز کے علاوہ جب بھی تلاوتِ قرآن شروع کرتے تو پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ ...الخ پڑھتے۔ تلاوت شروع کرتے وقت اعوذ باللہ کہنے کے علاوہ بھی تلاوتِ قرآن کے جو آداب ہیں وہ بڑی تفصیل سے کتاب وسنّت میں مذکور ہیں، مثلاً ترتیل یعنی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً (المزمل: ۴) یعنی قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھیے۔ اسی طرح خوش الحانی سے پڑھنا، سمجھ کر پڑھنا وغیرہ۔ مگر اس کے باوجود سارے قرآن اور ذخیرۂ احادیث میں ادنیٰ سا اشارہ بھی اس بات کا نہیں ملتا کہ تلاوتِ قرآن کے اختتام پر کوئی خاص جملہ یا فقرہ مثلاً "صدق اللہ العظیم" کہا جائے جیسا کہ آج کل مستقل دستور ہو گیا ہے۔

اب جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ تلاوتِ قرآن کے اختتام پر شارع نے کوئی خاص لفظ کہنا یا جملہ پڑھنا مقرر نہیں کیا تو پھر ہمیں سوچنا چاہیئے کہ اگر ہم اسوقت "صدق اللہ العظیم" کہیں گے تو کیا ہمارا یہ عمل فرمانِ الٰہی ' لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (الحجرات: ۱) یعنی اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، کی مخالفت کا موجب تو نہیں ہوگا؟ اور کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اس عمل کی وجہ سے آیت:

"وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ (النساء: ۱۱۵)
یعنی جو شخص ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کے طریقہ کے خلاف کرے گا اور وہ طریقہ اختیار کرے گا جو مومنوں کا نہیں تو ہم اسی پر اس کو چلنے دیں گے اور اس کو دوزخ میں ڈال دیں گے جو بہت ہی بُری جگہ ہے"

میں جو وعید آئی ہے اُس کے مستوجب ہو جائیں؟

اگر ہم اس بدعت کو اپنائے رہے تو بحکم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام، مَنْ عَمِلَ عَمَلاً

لَیْسَ عَلَیْہِ اَمْرُنَا فَھُوَ رَدٌّ (یعنی جو شخص دین میں کوئی ایسا کام کرے گا جس کا ہم نے حکم نہ دیا ہو یا جو ہمارے طریقہ کے مطابق نہ ہو تو وہ عمل عند اللہ مقبول نہیں ہوگا اور وہ شخص اللہ کی رحمت سے دور ہوگا) ، ہم تلاوت کے اجر و ثواب اور رحمتِ الٰہی سے قطعاً محروم رہیں گے۔ اس لئے کہ تلاوتِ قرآن کے اختتام پر نہ تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا ہے کہ ہم "صدق اللہ العظیم" کہا کریں اور نہ ہی یہ آپ کا طریقہ تھا۔ لہٰذا اس بدعت کو فوراً ترک کر کے اس کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنا چاہیئے جیسا کہ حدیث رد میں حکم دیا گیا ہے۔ بس یہی ایک طریقہ ہے فرمانِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مطابق اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کا۔ اس بدعت کی شناعت (خطرناکی) ایک واقعہ سے اور بھی واضح ہو جاتی ہے جو خود راقم الحروف کو ایک مرتبہ پیش آیا۔

کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ میں اسلامیات کی ایک کلاس میں لیکچر دے رہا تھا، دورانِ تدریس جب میں نے قرآن مجید کی ایک سورت پڑھی اور اس کے خاتمہ پر یہی جملہ "صدق اللہ العظیم" نہیں کہا تو ایک طالب علم نے کھڑے ہو کر کہا کہ "سر آپ نے ایک آیت چھوڑ دی ہے"۔ میں نے کہا کونسی آیت؟ تو جواب میں اُس نے کہا کہ "صدق اللہ العظیم"۔ یہ سُن کر مجھے اس بدعت کے خطرناک ہونے کا احساس اور بھی بڑھ گیا اور میں نے ارادہ کر لیا کہ میں اہلِ علم کی توجہ اس کی طرف ضرور مبذول کراؤں گا تاکہ اس بدعت کا انسداد ہو سکے۔

دیکھیئے اس بدعت نے عوام الناس کو کس خطرناک مقام پہ لا کھڑا کیا ہے اور وہ ہے "زیادۃ فی القرآن"، یعنی قرآن میں اضافہ۔ یہ جُرم کتنا سنگین ہے۔ درج ذیل حدیث سے اس پر روشنی پڑتی ہے جس کو حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے:

سِتَّةٌ لَعَنْتُھُمْ وَلَعَنَھُمُ اللّٰہُ وَکُلُّ نَبِیٍّ مُجَابٌ اَلزَّائِدُ فِی کِتَابِ اللّٰہِ ...... الخ یعنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ چھ آدمی ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے بھی لعنت کی ہے اور میں نے بھی۔ ان میں سب سے پہلے وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں زیادتی (اضافہ) کرتا ہے .... الخ

گویا اس بدعت نے زیادۃ فی القرآن اور اس کے نتیجہ میں اللہ کی لعنت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اعاذنا اللہ منھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ بدعت اور عمل میں مشروع طریقے سے ذرا سا آگے بڑھنے اور اس میں ذرا سی بھی کمی بیشی کرنے کے وبال سے بخوبی واقف تھے اس لئے جب بھی وہ کسی معاملہ میں اس قسم کی کوتاہی دیکھتے تو فوراً ٹوکتے اور اس سے منع کرتے۔ مثلاً ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی شخص کو دیکھا کہ اُس نے دعا مانگتے وقت ہاتھوں کو کندھوں سے اوپر اٹھا لیا تو فوراً کہا کہ یہ بدعت ہے، کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم دعا مانگتے وقت ہاتھوں کو کندھوں سے اوپر نہیں لے جاتے تھے (مشکوٰۃ) اسی طرح انہوں نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ اُس نے چھینک لیتے وقت "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کے بعد "وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ" کہا تو آپ نے اس پر اعتراض کیا اور فرمایا کہ اس موقع پر یعنی چھینک آنے پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو تعلیم دی ہے وہ یہ ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ" کہا جائے اور فرمایا کہ 'والسلام علیٰ رسول اللہ' ہم بھی کہتے ہیں مگر اس موقع پر نہیں۔ (مشکوٰۃ) دیکھئے باوجودیکہ 'السلام علیٰ رسول اللہ' کہنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے تاہم چونکہ اس کو ایسے موقع پر کہا گیا جہاں اس کی تعلیم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نہیں دی تھی اس لئے صحابیٔ رسولؐ نے اِس سے منع کیا۔ اس طرح ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کچھ آدمیوں کو مسجد میں چاشت کی نماز پڑھنے کے لئے اکٹھے ہوتا دیکھا تو بولے 'یہ بدعت ہے'۔ دیکھئے چاشت کی نماز صحیح احادیث سے ثابت ہے لیکن جب انہوں نے اس کے لئے اہتمام سے مسجد میں جمع ہوتے دیکھا تو اس کو بدعت بتایا، کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں اس قسم کا اہتمام نہیں ہوا کرتا تھا۔ لوگ چاشت کی نماز اپنے اپنے گھروں میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ یہ حقیقت اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتی ہے جو کہ حدیث کی کتاب 'دارمی' میں مروی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ (عبداللہ بن مسعود کا شاگرد کہتا ہے) ہم عبداللہ بن مسعود کے دروازے پر صبح کی نماز سے پہلے بیٹھا کرتے تھے جب وہ نکلتے تو ہم اُن کے ہمراہ مسجد جاتے تو ایک مرتبہ ابوموسیٰ اشعری آئے اور پوچھا کیا ابوعبدالرحمٰن گھر سے نکل چکے ہیں؟ ہم نے کہا نہیں، چنانچہ وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے ' جب عبداللہ بن مسعود نکلے تو ہم بھی اُن کے ساتھ چلنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ ابوموسیٰ نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن، میں نے

مسجد میں اسوقت ایک نئی بات دیکھی ہے اَلحَمدُ لِلّٰہ اچھی ہی بات دیکھی ۔ انہوں نے کہا وہ کیا ہے انہوں نے کہا آپ زندہ رہے تو ابھی دیکھ لیں گے ۔ پھر کہا میں نے مسجد میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ حلقے باندھے ہوئے نماز کا انتظار کر رہے ہیں اور ہر ایک حلقہ میں ایک شخص ہے اور اُن کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں وہ شخص کہتا ہے۔ سَو مرتبہ تکبیر کہو تو وہ سو مرتبہ تکبیر کہتے ہیں پھر وہ کہتا ہے سَو مرتبہ " لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ " کہو تو وہ سو مرتبہ " لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ " کہتے ہیں وہ پھر کہتا ہے سَو مرتبہ " سبحان اللّٰہ " کہو تو وہ سو مرتبہ " سبحان اللّٰہ " کہتے ہیں۔ پھر عبد اللّٰہ بن مسعود نے کہا تم نے اُن سے کیا کہا۔ وہ بولے میں نے آپ کی رائے یا حکم کے انتظار میں اُن سے کچھ نہیں کہا۔ اس پر انہوں (عبداللّٰہ بن مسعود) نے کہا تم نے اُن سے یہ کیوں نہ کہا کہ تم اپنی برائیاں گنو، تمہاری نیکیوں کا میں ذمّہ دار ہوں کہ وہ ضائع نہیں ہوں گی ۔ پھر عبداللّٰہ بن مسعود مسجد میں آئے اور اُن میں سے ایک حلقہ کے پاس جا کر کھڑے ہو کر فرمانے لگے : میں تمہیں یہ کیا کرتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا اے ابو عبدالرحمٰن ہم اِن کنکریوں سے " اللّٰہ اکبر" " لاالٰہ الا اللّٰہ " اور " سبحان اللّٰہ " کو گن رہے ہیں ۔ اس پر وہ (عبداللّٰہ بن مسعود) بولے "تم اپنی برائیاں گنو ، کیونکہ اس بات کا میں ذمّہ لیتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں ذرا بھی ضائع نہیں ہوں گی ، اے محمد (صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم) کے اُمّتیو تم کتنا جلدی ہلاک ہو گئے حالانکہ ابھی تمہارے نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کے صحابہ کثرت سے موجود ہیں اور آپ (رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم) کے یہ کپڑے ہیں کہ ابھی پھٹے نہیں اور ان کے یہ برتن ہیں کہ ٹوٹے نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہارا طریقہ محمد صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے طریقہ سے زیادہ صحیح ہے یا تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو"؟ وہ بولے اے ابو عبدالرحمٰن اللّٰہ کی قسم ہماری نیّت تو بھلائی کی ہی ہے۔ انہوں نے جواباً کہا " بہت سے بھلائی کی نیّت رکھنے والے ایسے ہیں جو بھلائی کو ہرگز نہیں پائیں گے۔ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نے ہمیں بتایا ہے کہ بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھتے ہونگے، لیکن قرآن اُن کے حلقوں سے نیچے نہیں اُترے گا اور میں نہیں کہہ سکتا شاید کہ اُن میں سے اکثر لوگ تم ہی میں سے ہوں ۔ عمرو بن سلمہ (راوی) کہتے ہیں کہ ان لوگوں میں اکثر کو

ہم نے دیکھا کہ نہروان کے دن خارجیوں کے ساتھ مل کر ہم سے لڑ رہے تھے"۔

دیکھئے یہ لوگ صرف "لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر اور سبحان اللہ" ہی تو کہہ رہے تھے جو نیک عمل اور ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے مگر انہوں نے اس میں یہ اضافہ کر لیا تھا کہ ہر شخص کے ہاتھ میں سَو سَو کنکریاں ہیں اور ان میں سے درمیان بیٹھا ہوا شخص کہتا کہ پڑھو تو وہ پڑھتے جس میں بظاہر کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا مگر چونکہ عبادت میں اپنی رائے سے ذرا سی کوئی قید لگانے یا تخصیص کرنے سے پوری عبادت بدعت میں تبدیل ہو جاتی ہے اس لئے اس بدعت کا یہ بُرا اثر ہوا کہ اسی کی وجہ سے وہ لوگ خارجی ہو گئے۔

اختتامِ تلاوت پر "صدق اللہ العظیم" کہنا یقیناً تلاوتِ قرآن کی عبادت میں زیادتی ہے جس کی وجہ سے یہ بدعت میں تبدیل ہو کر بجائے ثواب کے عذاب کا موجب بن جائے گی۔ اعاذنا اللہ منہ۔

تلاوتِ قرآن مجید کے اختتام پر "صدق اللہ العظیم" یا "آمنت باللہ" یا اس قسم کا کوئی اور جملہ کہنے کو مُباح، بھی مان لیا جائے تو اس پہ اصرار اور اس کا التزام یعنی اسپر ہمیشگی کرنا جس سے انجان لوگ اس کو ضروری اور سنت سمجھنے لگ جائیں جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے (جس کا ثبوت مذکورہ بالا واقعہ ہے جو میرے ساتھ پیش آیا جب کہ میں نے ایک سورت کی تلاوت کے بعد 'صدق اللہ العظیم' نہیں کہا تو ایک طالب علم یہ سمجھا کہ میں نے کوئی آیت چھوڑ دی۔) تو ایسی صورت میں 'مباح' بلکہ 'مستحب' امور بھی ناجائز اور حرام ہو جاتے ہیں جیسا کہ علماء کرام نے تصریح کی ہے۔ دیکھئے 'شامی' میں نماز کے بعد سجدۂ شکر ادا کرنے کی ممانعت کی وجہ یہ لکھی ہے۔

وَسَجْدَةُ الشُّكْرِ مُسْتَحَبَّةٌ بِهِ يُفْتٰى لٰكِنَّهَا تُكْرَهُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ لِاَنَّ الْجَهَلَةَ يَعْتَقِدُوْنَهَا سُنَّةً اَوْ وَاجِبَةً وَكُلُّ مُبَاحٍ يُؤَدِّيْ اِلَيْهِ فَمَكْرُوْهٌ قَوْلُهُ فَمَكْرُوْهٌ اَلظَّاهِرُ اَنَّهَا تَحْرِيْمِيَّةٌ لِاَنَّهٗ يُدْخِلُ فِي الدِّيْنِ مَا لَيْسَ مِنْهُ ...... الخ یعنی باوجودیکہ سجدۂ شکر مطابق قول مفتی بہ مستحب ہے پھر بھی عوام کا عقیدہ خراب ہو جانے کے ڈر

سے نماز کے بعد سجدۂ شکر کو مکروہ تحریمی کہا ہے، نیز بطور قاعدہ کلیہ یہ بتلادیا کہ ہر مباح (جائز) عمل جس کی وجہ سے اس عمل کے متعلق عام لوگوں کا اعتقاد یا نظریہ خراب ہوتا ہو تو وہ مکروہ تحریمی یعنی حرام و ناجائز ہو جاتا ہے۔

اس اصول کا ذکر "رد المختار" جلد اوّل میں ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

وَقَدْ صَرَّحَ بَعْضُ عُلَمَائِنَا وَغَيْرُهُمْ بِكَرَاهَةِ الْمُصَافَحَةِ الْمُعْتَادَةِ عَقِبَ الصَّلَوَاتِ مَعَ اَنَّ الْمُصَافَحَةَ سُنَّةٌ وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِكَوْنِهَا لَمْ تُؤْثَرْ فِي خُصُوْصِ هٰذَا الْمَوْضِعِ فَالْمُوَاظَبَةُ عَلَيْهَا تُوْهِمُ الْعَوَامَ بِاَنَّهَا سُنَّةٌ فِيْهِ ..... (ترجمہ) ہمارے بعض علماء اور دوسروں نے اس کی تصریح کی ہے کہ نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا جس کا آج کل رواج ہے مکروہ ہے حالانکہ مصافحہ کرنا ایک سنّت کام ہے لیکن خاص اس موقع (یعنی نماز کے بعد) پر کرنا ثابت نہیں ہے۔ اس لئے یہ مکروہ ہے کیونکہ اس پر ہمیشگی کرنے سے عام لوگوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ نماز کے بعد خاص طور پر مصافحہ کرنا سنّت ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ کتاب و سُنّت کے مندرجہ بالا دلائل کی رُو سے تلاوتِ قرآن کے اختتام پر "صدق اللہ العظیم"، یا دیگر کسی قسم کے الفاظ کہنا صریحاً بدعت اور گمراہی ہے۔ لہٰذا اس کا ترک کرنا اور ترک کرانا ایک اہم دینی فریضہ ہے اور اس سے چشم پوشی ایک اہم دینی کام میں کوتاہی کے مترادف ہے۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ اہلِ علم حضرات عموماً اور علماء خصوصاً اس سلسلہ میں اپنی پوری کوشش سے اس بدعت کو مٹا کر عنداللہ ماجور ہوں گے۔ اور جس طرح ہم بہت سے دیگر اعمال میں شارع کے بتائے ہوئے طریقہ میں کمی و بیشی نہیں کرتے اس معاملہ میں بھی مسنون طریقہ سے تجاوز نہیں کریں گے۔ مثلاً اذان کے شروع میں صحابہ کرام کے زمانہ سے لے کر آج تک کسی جُملہ کا اضافہ نہیں کیا جاتا کیونکہ اس کی تعلیم ہمیں نہیں دی گئی اسی طرح بحکم الٰہی سواری پر بیٹھتے وقت بِسْمِ اللّٰہ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا الخ کہا جاتا ہے